ماہنامہ **ترجمان القرآن** لاہور

رجسٹرڈ نمبر ایل : ۵۳۴۰

جلد ۱۱۶ | جنوری ۱۹۹۲ء رجب ۱۴۱۲ھ | عدد ۵

فہرست مضامین

اشارات	خرم مراد	۳
حکمت سید مودودیؒ ۔ داعی الی اللہ کی ذمہ داری		۴
مفکر اسلام سید مودودیؒ	حافظ محمد ادریس	۱۴
تاسیس و قیام جماعت ۔ قسط (۲)	آباد شاہ پوری	۲۴
خصوصی تجزیہ ۔ نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ء پر اعتراضات کا ایک علمی محاکمہ (قسط ۲)	پروفیسر خورشید احمد	۳۸
رسائل و مسائل	مولانا عبد المالک	۴۵
مطبوعات	نعیم صدیقی	۴۹

رابطہ و ترسیل زر کے لیے : ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ ۔ رحمن مارکیٹ ، اردو بازار ، لاہور

فون نمبر : ۲۳۴۰۱۴ - ۲۳۶۶۶۵ پوسٹ بکس نمبر : ۱۴۴۳

فی پرچہ : ۶ روپے زر سالانہ : ۶۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ملک عبد محمد پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن ، اچھرہ لاہور سے شائع کیا

اشارات

ایسے اجتماعی مقاصد و اہداف کے حصول کی خاطر جو لوگ الگ الگ حاصل نہ کر سکیں' وہ گروہوں اور تنظیموں کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ خاندان کا بالکل بنیادی' مگر غیر رسمی' ادارہ اس لیے بنتا ہے کہ مرد اور عورت تنہا نسلِ انسانی کی تولید و بقا کا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔ حکومت اس لیے بنتی ہے کہ سارے افراد مل کر بھی' حکومت کی تنظیم کے بغیر' معاشرہ کی بقا و ترقی کا کام نہیں کر سکتے۔ تنظیم کی وجہ سے ہی ایٹم بم بن سکا' بڑی بڑی جنگیں لڑی جا سکیں' وسیع پیمانہ پر تعلیم و علاج جیسی سہولتیں فراہم کی جا سکیں اور تجارتی ادارے بین الاقوامی بن سکے۔

ایسے اجتماعی گروہوں کے اپنے مقصد کی طرف پیش رفت کے لیے' مقصد سے محبت اور وابستگی کے' بعد سب سے زیادہ اہم اور ضروری کام منصوبہ بندی (پلاننگ) اور اس کی تنفیذ ہے۔ یہ گروہ قومیں ہوں یا ادارے اور تنظیمیں' اور تنظیمیں تجارتی و سرکاری ہوں یا علمی' سیاسی' معاشرتی' اصلاحی اور انقلابی۔ ایک تنظیم کے اہداف اگر مستقبل میں واقع ہیں' اسے اگر کسی راستے پر آگے بڑھنا ہے' کل کہیں پہنچنا ہے' کوئی ہدف حاصل کرنا ہے' تو اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ یہ سوچے کہ آج اسے کیا کرنا چاہیے' کن کاموں کو ترجیح دینا چاہیے' کس راستے سے پیش قدمی کرنا چاہیے' تاکہ کل وہ اپنے ہدف اور اپنی منزل سے کچھ اور قریب ہو سکے۔ ایسی ہی سوچ' اور ایسے ہی کاموں اور راستوں کے تعین کا نام منصوبہ بندی ہے۔

منصوبہ بندی اس چیز کا نام نہیں ہے کہ ہم جو کام عرصہ سے کرتے چلے آرہے ہیں' یا آج کر رہے ہیں' ان کی ایک فہرست بنا لیں اور کاغذ پر ان کو دہرا دیں۔ منصوبہ بندی تو مستقبل کے خوابوں اور آرزوؤں کا نام ہے' وہ طویل المیعاد ہوں یا قصیر المیعاد' اور ایسے کاموں اور راستوں کے تعین کا نام ہے جن سے یہ آرزوئیں اور خواب پورے ہو سکیں' اور پورے نہ بھی ہوں تو ان کا پورا ہونا ممکن ہو جائے۔ پھر' اگر اللہ چاہے اور ہماری نیتیں اور کوششیں صحیح اور موزوں

ہوں‘ تو ہمارا مطلوب‘ جو ممکن بن جائے‘ وہ حاصل بھی ہو جائے اور ایک حقیقت میں تبدیل ہو جائے۔

کل کے لیے آج سامان کرنا انسانی فطرت کا بنیادی تقاضہ ہے۔ بلکہ جانور بھی کل کا اہتمام کرتے ہیں‘ اور آج کے اچھے موسم میں کل کے برے موسم کے لیے خوراک و ضروریات ذخیرہ کرتے ہیں۔ اگر وہ کل کا نہ سوچیں اور آج کی محنت کا پھل آج ہی کھا لینا چاہیں یا آج کا کام دہراتے رہنے ہی کو اپنی منزل سمجھ لیں‘ تو کل وہ بھوکے مرسکتے ہیں۔ آج (دنیا میں) اپنے کاموں پر نگاہ رکھنا اور وہ کام کرنا جو کل (آخرت میں) کام آئیں‘ یہی‘ ایمان کا اصل تقاضہ ہے‘ بلکہ اس کا حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر)

"اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے۔"

دوسرے الفاظ میں‘ دنیا کی زندگی آخرت کے لئے مسلسل منصوبہ بندی‘ اس کے جائزہ اور احتساب میں گزرنا چاہیے۔ صبح اٹھتے ہی استغفار اور نئے عزائم و ارادے‘ دن بھر کام اور محنت‘ اور دن ختم ہو تو اپنا جائزہ اور احتساب۔ اس طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کی سوچ اور اس کے عمل دونوں کا آخرت کے لیے منصوبہ بندی کا تابع ہونا مطلوب ہے۔ اس طرح مومن کا مزاج ہی مستقبل پر نظر رکھنے اور مستقبل کے لیے کام کرنے کے سانچہ میں ڈھل جاتا ہے۔ جب مزاج مستقبل بینی اور مستقبل سازی کا عادی ہو جائے‘ تو دنیا میں بھی زندگی کے گوشے اور مقاصد اس عمل سے خالی نہیں ہو سکتے۔ نفعِ عاجلہ کی محبت کے باوجود تعمیرِ مستقبل کا یہ فطری جذبہ ہی ہے جو مرد اور عورت کو خاندان بنانے‘ ایک طالب علم کو برسوں حصولِ علم میں صرف کرنے اور انسانوں کو اس نوعیت کے بے شمار کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ جب ایسا ہے تو ایسی تنظیم اور ایسے افراد جو دنیا کو اللہ تعالیٰ کے مطلوب نقشے کے مطابق بنانے کا ہدف رکھتے ہوں‘ اس بات سے کبھی غافل نہیں ہو سکتے کہ وہ آج اس دنیا میں بھی دنیا ہی میں کل کے مطلوب نقشے کے لیے منصوبہ بندی کریں۔ وہ یہ سوچیں کہ آنے والی کل کے لیے ان کے خواب اور آرزوئیں کیا ہیں‘ اور آج وہ کیا اور کن راہوں سے جستجو کریں کہ یہ خواب اور آرزوئیں پوری ہو سکیں۔

اسی لیے جماعتِ اسلامی ابتدا ہی سے کسی نہ کسی شکل میں اپنے مستقبل کے کاموں کی منصوبہ بندی کرتی رہی ہے۔ یہ منصوبے مختلف المیعاد مدتوں پر محیط رہے ہیں۔ کبھی کسی میعاد کے

تعین کے بغیر‘ کبھی پانچ سال کے لیے اور کبھی ایک سال کے لیے۔ ایک عرصہ تک ہر سال سالانہ منصوبہ بنانے کے بعد‘ ۱۹۸۹ میں جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ نے ایک اہم بنیادی فیصلے کے ذریعے منصوبہ بندی کے عمل کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک طرف اس نے ایک پانچ سالہ منصوبہ برائے ۱۹۹۰۔۱۹۹۴ منظور کیا۔ اس منصوبے میں پانچ سال کے لیے عمومی اہداف متعین کیے گئے‘ ان اہداف کے درمیان ترجیحات قائم کی گئیں‘ اور توسیع دعوت‘ رابطہ عوام‘ تربیت اور استحکام نظم کے اہم میدانوں میں اہداف‘ رہنما اصول‘ خطوط کار اور مستقل نوعیت کی تدابیر و پروگرام بھی درج کیے گئے۔ اس کے ساتھ ہی دوسری طرف مجلس شوریٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ اب ہر سال‘ ہر سطح پر‘ اسی پانچ سالہ منصوبے کے مطابق اور اس کے ضمیمے کے طور پر‘ ایک سالانہ منصوبہ عمل طے کیا جاتا رہے گا۔ اس سالانہ منصوبہ عمل میں وہ متعین کام طے کیے جائیں گے جن کو دوران سال کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ساتھ ہی‘ اگر کوئی خصوصی اہداف سال آئندہ کے لیے ضروری ہوں گے تو وہ بھی طے کر دیے جائیں گے۔

اس فیصلے کے تحت مرکزی مجلس شوریٰ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۷۔۱۹ دسمبر ۱۹۹۱ء میں‘ پانچ سالہ منصوبے (۱۹۹۰۔۱۹۹۴) کے تحت‘ ۱۹۹۲ کے لیے مرکزی اور ملکی منصوبہ عمل طے کیا‘ اور ساتھ ہی ہر سطح کے نظم کو ہدایت کی کہ وہ سال رواں کے لیے اپنا منصوبۂ عمل تیار کرے۔ پانچ سالہ منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے‘ اور سالانہ منصوبۂ عمل بنانے کے لیے ضروری ہے کہ جماعت کے سارے ذمہ داران اور کارکنان منصوبے کی سوچ‘ اس کے اہداف و ترجیحات اور اس کے رہنما اصولوں کو اچھی طرح سمجھیں اور اپنے سارے کاموں اور فیصلوں میں ان کو ملحوظ رکھیں۔ اس لیے ان کے سامنے منصوبے کے چند اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

آج اس دنیا میں ہمارے کام کے مستقبل کا جو نقشہ ہماری آرزو بن جانا چاہیے وہ یہ ہے کہ ہم ایک عام مسلمان کو‘ ملتِ اسلامیہ کے ایک عام فرد کو‘ مرد ہو یا عورت‘ بوڑھا ہو یا جوان‘ پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ‘ اپنی توجہات اور سرگرمیوں کا مرکز بنائیں اور اسے جس حد تک بھی ممکن ہو دین کے لیے کھڑا کریں۔ جتنا بھی وہ اسلام کے قریب آسکے‘ جتنا بھی اس کے ایمان میں اضافہ ہو سکے‘ جتنی بھی اس کی فکر اور اس کے اخلاق و عمل میں اصلاح و بہتری ہو سکے‘ وہ بہر صورت کرنا اور کرتے رہنا ناگزیر ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کو اقامت دین کے لیے کھڑا کرنا اور اس مقصد کے لیے وہ‘ اپنی کمزوریوں کے باوجود‘ جو کچھ بھی عمل کر سکے وہ کرا لینا‘ اور کراتے رہنا بھی اتنا

ہی ناگزیر ہے۔ کوئی وقت دے گا' کوئی مال دے گا۔ کوئی صرف کلمہ خیر کہے گا۔ کوئی اجتماعات میں آئے گا' کوئی جلوس میں شریک ہو جائے گا' کوئی دعوتی مہم میں ساتھ نکل کھڑا ہو گا۔ مستقبل کے اس نقشہ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کے لئے مجلس شوریٰ نے دعوت الی اللہ کو اولین ترجیح دی ہے' اور اس کی روح اور مقصد کو یوں واضح کیا ہے کہ

> دعوت کی روح اور مقصد' عام آدمی کو مخلصانہ بندگی رب' تجدید ایمان' وفائے عہد اور طلب جنت کے لیے کھڑا کرنا ہو۔ اور اس کے ناگزیر تقاضہ کے طور پر' اقامت دین کے لیے' اللہ کی راہ میں جان لگا کے اور مال خرچ کرکے' جہاد کے لیے تیار کرنا ہو۔ (پانچ سالہ منصوبہ ص ۳)

دعوت الی اللہ کے کام میں جو سوچ مستقبل کے نقشے کو بروئے کار لانے کے لیے ناگزیر ہے وہ اس رہنما اصول سے عیاں ہو جاتی ہے۔

> ہر شخص جو اس دعوت سے ہمدردی رکھتا ہو' یا اس کے لیے کچھ کر سکتا ہو اور کرنے کو تیار ہو' ہمارا آدمی ہے' اور اس کو ساتھ لے کر چلنے کی ذمہ داری ہماری ہے۔ جہاں ایک طرف پوری طرح قابل اعتماد کارکنوں کی ایک ٹیم بنانا ضروری ہے' وہاں ان سب لوگوں سے بھی اسلامی انقلاب کے لیے کام لینا ضروری ہے' خواہ ان میں کتنی ہی خامیاں پائی جاتی ہوں۔ (منصوبہ ص ۶)

ہر عام مسلمان کے بارے میں اپنی اس ذمہ داری کو کماحقہ ادا کرنے کے لیے ایک طرف یہ انتہائی اہم اصول ہر وقت ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ

> دعوت کی اصل کامیابی مخاطب کو کسی نہ کسی عمل کے لیے آمادہ کر لینا ہے' خصوصاً دعوت و تنظیم کے کام کے لیے' خواہ وہ عمل کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ (منصوبہ ص ۶)

اور اس سوچ پر عمل پیرا ہونا بھی ناگزیر ہے' جو بدقسمتی سے اب ہم بھول سے چکے ہیں۔

> ہر شخص سے یہ امید رکھی جانی چاہیے کہ وہ دعوت قبول کر سکتا ہے' خواہ وہ ناخواندہ یا ہمارا کٹر مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کسی کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ (منصوبہ ص ۶)

اگر ہم پہلے ہی سے فرض کر لیں کہ فلاں پیپلیا ہے اور فلاں مسلم لیگی' فلاں کا کردار خراب

ہے اور فلاں مغرب زدہ ہے' اور فلاں ہمارا دشمن ہے' اور اس سے ربط و دعوت بے کار ہے' تو یہ سوچ داعیانہ مزاج کی نہیں' قبائلی مزاج کی آئینہ دار ہے۔ اسی طرح صرف تقریریں سنوا دینا اور کتاب پڑھوا دینا بھی فی نفسہ مقصود نہیں۔ اصل مقصود تو اس کے عمل میں کوئی اچھی تبدیلی لانا ہے' اور اس سے اقامت دین کی راہ میں کچھ نہ کچھ حاصل کر لینا ہے۔

اسی مقصد کے حصول کے لیے ایک اہم اور ناگزیر راستہ فرد اور فرد کے مابین ربط اور دعوت کا راستہ ہے۔ اس کام کے لیے کسی سرکلر اور ہدایت کی ضرورت نہ ہونا چاہیے۔ یہ کام رپورٹوں اور احتساب کے بل پر بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کے سوتے اپنے اندر سے پھوٹنا چاہئیں۔ اگر ہم میں سے ہر فرد خود اپنے کام کی منصوبہ بندی کرے' اپنے رشتہ داروں' پڑوسیوں' ساتھ کام کرنے والوں' دوستوں اور شناساؤں میں صرف ۱۰ ناموں کی فہرست بنا لے' اور یہ طے کرے کہ ان میں سے ہر ایک تک پہنچنا ہے' اور ان میں ہر ایک سے کچھ نہ کچھ کرا لینا ہے' تو آپ دیکھیں گے کہ ہمارے دعوتی کام اور ہمارے وسائل میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی جائے گی۔

عام مسلمان کو جس طرح دین کے لیے کھڑا کرنا مطلوب ہے اس کے لیے صرف انفرادی روابط کافی نہیں ہو سکتے' اور نہ ہر فرد کا تنہا' علیحدہ علیحدہ دعوتی کام۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ ہم نے ایک طویل عرصہ محنت کر کے جو اجتماعی قوت جمع کی ہے اس کو دعوت کے کام میں منظم طریقے سے لگایا جائے۔ آج کے دور کے وہ تمام اجتماعی ذرائع استعمال کیے جائیں جو ناجائز نہ ہوں' اور ہمارے بس میں ہوں۔ دعوت کو وقت کے بھڑکتے ہوئے مسائل کے ساتھ مربوط کیا جائے۔ ان مسائل کو ہاتھ میں لیا جائے اور ان کے لیے اسلام کی رہنمائی پیش کی جائے۔ وفود نکالے جائیں۔ کیمپ منعقد کیے جائیں۔ ابلاغِ عامہ کے قدیم و جدید ذرائع استعمال کیے جائیں۔

اس غرض کے لئے ہر جماعت کو چاہیے کہ وہ اپنے علاقے میں ایک ایک گھر دعوت پہنچانے کا منصوبہ بنائے۔ ایک متعین مدت میں ہر گھر تک ایک دفعہ ضرور دعوت پہنچا دے۔ ہر علاقے میں کیمپ لگائے اور وفود نکالے۔ یہ کام کسی ایک مرکزی مہم کے طور پر نہیں ہو سکتے۔ لیکن ہر مقام اور ہر علاقے میں' اپنی اپنی استطاعت و گنجائش اور سہولت کے لحاظ سے یہ کام ہونا چاہیے۔

دعوت کے ضمن میں عورتوں کے درمیان توسیعِ دعوت کے سلسلے میں خصوصی توجہ ناگزیر ہے۔ عورتیں ہماری آبادی کا نصف حصہ ہیں۔ گھروں کی حکومت ان کے ہاتھوں میں ہے۔ نئی

نسل کی تعلیم و تربیت ان کے ذمے ہے۔ غیر اسلامی فکر و ثقافت کی جو یلغار ہماری خوابگاہوں میں داخل ہو رہی ہے اس کے آگے وہی بند باندھ سکتی ہیں' بلکہ اس کو نکال باہر کر سکتی ہیں۔ یہ سمجھنا سخت نادانی ہوگی کہ خواتین میں دعوت کا کام صرف خواتین کے نظم کی ذمہ داری ہے۔ جماعت کا کون کارکن ایسا ہے جس کا ربط خواتین سے نہ ہو۔ کہیں وہ ماں ہے' کہیں بہن ہے' کہیں بیوی ہے' کہیں بیٹی ہے' کہیں کسی اور رشتہ میں منسلک ہے۔ ان کو دعوت کے لیے کھڑا کر دینا' منظم کرنا اور کام کرانا' ہم میں سے ہر ایک کی ذمہ داری ہے' نہ کہ صرف حلقہ خواتین کی۔

اس لیے ہر جگہ جماعت کے کارکنوں اور نظم کو آگے بڑھ کر عورتوں کو تحریک کے دائرہ میں متحرک و منظم کرنے کی ذمہ داری پوری کرنا چاہیے۔ کام اپنے گھروں سے شروع کریں۔ **قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا** اور **وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ** کے جذبہ سے سرشار ہو کر۔ کوئی مقام ایسا نہ رہے جہاں مردانہ نظم موجود ہو' اور وہاں عورتوں میں دعوت کا حلقہ منظم نہ ہو۔

عورتیں اگر ہماری اس عام آبادی کا نصف حصہ ہیں جس کو دین کے لیے کھڑا کرنا مستقبل کا سب سے بڑا اور اہم کام ہے' اور ان کے درمیان دعوت کے کام سے غفلت برتنا ایک جرم سے کم نہ ہوگا' تو اس حقیقت کو نظرانداز کرنا بھی بہت بڑی کوتاہی ہوگی کہ مردوں اور عورتوں دونوں میں ۸۰ فیصد لوگ ان پڑھ ہیں' اور جن ۲۰ فیصد کا شمار پڑھے لکھوں میں ہوتا ہے ان میں سے ایک فیصد بھی پڑھنے کا ذوق اور شوق نہیں رکھتے۔ اسی لیے ہمارے ہاں بالعموم ایک نئی کتاب کا پہلا ایڈیشن ہزار دو ہزار سے زیادہ مشکل ہی سے چھپتا ہے۔ اور اگر کوئی کتاب اپنی پوری عمر میں دس ہزار چھپ جائے تو اسے بہت بڑی بات سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ ان ملکوں میں جہاں لوگ پڑھنا جانتے ہیں' اور پڑھنا چاہتے ہیں' بعض پہلے ایڈیشن ہی لاکھ دو لاکھ کی تعداد میں چھپتے ہیں' اور ایک مقبول عام کتاب دس لاکھ سے تجاوز کرکے ایک کروڑ تک چھپ سکتی ہے۔ اور بک بھی جاتی ہے۔

کتاب کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ کتاب ان لوگوں تک دعوت پہنچاتی ہے جو معاشرہ کی رہنمائی کرتے ہیں' اور ان کو متاثر کیے بغیر معاشرہ میں کوئی پائیدار اور گہری تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔ ہمارا تو دین الکتاب ہی پر قائم ہے' اور ہماری تحریک کی ساری نشوونما میں لٹریچر نے کلیدی رول ادا کیا ہے۔ لیکن جب الکتاب نازل ہو رہی تھی اس وقت بھی اس کے ابلاغ و تعلیم کا انحصار زبان (قل) اور سمع پر تھا۔ بلکہ ہمیشہ ایسا ہی رہا ہے کہ انسانوں کے درمیان وسیع پیمانہ پر ابلاغ و تعلیم انہی ذرائع پر منحصر رہی ہے۔ لیکن اب تو ٹیلی ویژن' ریڈیو' اور آڈیو ویڈیو کیسٹ نے

بولنے اور سننے کے ذریعہ ابلاغ کے عمل کو اتنا پھیلا دیا ہے اور ایسی بلندیوں تک پہنچا دیا ہے کہ اس کا تصور بھی مشکل ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ابلاغ کے اس عمل کے ذریعے ہم اپنے ملک کی اس ۹۹ فیصد سے زیادہ آبادی تک باسانی دین کی تعلیم پہنچا سکتے ہیں' اور ان کو دین کے لیے سرگرم عمل کر سکتے ہیں' جو پڑھنا نہیں جانتے' یا اگر جانتے ہیں تو پڑھنا نہیں چاہتے۔ اور یہ آبادی ہمارے مستقبل کے نقشہ میں مرکزی اہمیت رکھتی ہے۔

سب سے ضروری بات تو اس ضمن میں یہ ہے کہ ہم اس آبادی کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو وہ توجہ دیں جس کی یہ مستحق ہے۔ دعوت کی روح اگر یہ ہے کہ لوگوں کا تعلق اپنے رب سے جوڑا جائے' اور جو دوڑ دوڑ کر آگ میں گر رہے ہیں ان کو کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچایا جائے (کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک ان پڑھ آدمی کسی پڑھے لکھے آدمی سے کچھ کم یہ حق نہیں رکھتا کہ ہم اس تک اپنی دعوت پہنچائیں' اور اس کو جماعت میں شامل کریں۔ پڑھ نہ سکنے یا نہ پڑھنے کو اگر کسی مرد یا عورت کو جماعت سے باہر رکھنے کی بنیاد بنایا جائے تو اس سے بڑھ کر ستم اور کیا ہوگا' اور دعوت و تحریک کے صحیح فہم سے نابلد ہونے کی دلیل اور کیا ہوگی۔ اگر کوئی پڑھ نہ سکتا ہو' اور ۸۰ فیصد نہیں پڑھ سکتے' تو ان کو اپنی دعوت پہنچانے اور سمجھانے کے ذرائع فراہم کرنے کے لیے ہم ذمہ دار ہیں' اور جواب دہ ہوں گے' نہ کہ وہ جو پڑھنے کے استعداد نہیں رکھتے۔

یہ نہ سمجھیں کہ جو پڑھا لکھا نہیں وہ لازماً جاہل اور جوہر قابل سے خالی ہے۔ بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی جاہل اور جوہر قابل سے خالی ہوتے ہیں۔ بلکہ آج تیسری دنیا میں سارے امراض و مصائب کے ذمہ دار پڑھے لکھے لوگ ہی ہیں۔ ہم تلاش کریں گے تو ان گدڑیوں میں بھی بے شمار بیش قیمت لعل پائیں گے۔

اس مقصد کے لیے دوسری ضروری بات یہ ہے کہ ہم اپنی دعوت کو گفتگو اور خطاب کے ذریعے پہنچانے پر توجہ دیں۔ ایک کاغذ یا کتاب ہاتھ میں تھمانے ہی کو دعوت کا کام نہ سمجھیں۔ جو پڑھنا چاہتا ہو اس کو کتاب دے کر بھی گفتگو سے مستغنی نہیں ہوا جا سکتا لیکن جو پڑھ ہی نہ سکتا ہو اس تک اپنی بات پہنچانے کے لیے تو بات چیت کے علاوہ اور کوئی راستہ ہے ہی نہیں۔

تیسری ضروری بات یہ ہے کہ جس قدر بھی سمعی و بصری وسائل اب تک فراہم ہو چکے ہیں ہم ان کا بھرپور استعمال کریں۔ آڈیو ویڈیو کیسٹ اپنے پاس رکھیں' اور ان کی لائبریریاں بنائیں۔ نشستوں اور مجلسوں میں ان کو استعمال کریں۔ دکانوں' محلوں اور گاڑیوں میں لگائیں۔

عام لوگوں کو ساتھ لے کر چلنا اسی وقت ممکن ہوگا جب ایسے لوگ بھی اس دعوت کے ہم نوا اور علمبردار بن جائیں جو معاشرہ میں اثر و نفوذ کے حامل ہیں۔ گاؤں کے چوہدری' برادریوں کے سربراہ' سیاسی لیڈر' علما اور ائمہ مساجد' معلمین اور اساتذہ' پیشہ ور ماہرین' تاجر اور صنعتکار' سرکاری ملازمین' یہ سب آج کے معاشرہ میں ایک گونہ قبائلی سرداروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو اسلام کی دعوت کے دائرہ میں لائے بغیر معاشرہ کی باگ دوڑ اسلام کے ہاتھ میں آنا کسی طرح ممکن نہیں۔

کسان اور مزدور ہونا' معاشی حیثیت سے' معاشرہ میں پس ماندہ ہونے کی علامت ہے۔ کسان ہماری عام آبادی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اگرچہ ہر معاشرہ میں شہری آبادی نسبتاً کہیں زیادہ اثر و نفوذ کی حامل ہوتی ہے' لیکن بیلٹ بکس میں ایک شہری اور دیہاتی کا وزن برابر ہوتا ہے۔ کسان قیام پاکستان کے وقت سے ہی غفلت اور عدم توجہ کا شکار ہے۔ اس لیے کہ قیادت ان جاگیرداروں کے ہاتھ میں رہی ہے جو خود شہروں میں رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ کسانوں کی رعیت کو بھیڑ بکری کے گلوں کی طرح جدھر چاہیں ہانک سکتے ہیں۔ بغیر کسی طبقاتی آویزش کی حوصلہ افزائی کے' کسان تک دعوت پہنچانے اور اس کو دین کے لیے کھڑا کرنے کے کام پر بھی ہم کو کماحقہ اپنے وسائل اور توجہات لگانے کے لیے عملی اقدامات کرنا ہوں گے۔

پانچ سالہ منصوبے کا ہر پہلو اہم ہے' اور یہاں صرف چند اہم پہلوؤں ہی کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ مگر منصوبہ خود کوئی کام نہیں کرتا۔ نہ منصوبہ کوئی جادو کی چھڑی ہے کہ اس کو منظور کرنے اور چھاپ کر شائع کر دینے سے ہی سارے کام ہونے ہوں۔ منصوبہ اسی حد تک کارگر ہوگا جس حد تک ہم اسے کارگر کریں گے۔ ورنہ یہ کاغذ کے ان ٹکڑوں سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا جن کی ہمارے پاس کوئی کمی نہیں۔ اس لیے اصل اہمیت تو ارادہ و عزم' ہمت و حوصلہ' اور سعی و محنت کی ہے' جن کے بغیر نہ کوئی راستہ طے ہو سکتا ہے' نہ کوئی منزل سر ہو سکتی ہے' نہ کوئی ہدف حاصل ہو سکتا ہے۔

نظم کی ہر سطح پر بالکل بنیادی طور پر دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ ہم اپنے اپنے دائرہ کار میں' حلقہ ہو یا مقام' تحصیل و ضلع ہو یا صوبہ' شعبہ ہو یا ادارہ' سال بھر کے لیے اپنا منصوبہ عمل بنائیں۔ یہ منصوبہ عمل ان ٹھوس اور متعین کاموں پر مشتمل ہو جن کا کرنا بھی محسوس ہو' اور جن کے نتائج بھی محسوس۔ خواہشات اور تمناؤں اور نصائح و ہدایات کا نام منصوبہ عمل

نہیں۔ نہ صوبہ کی سطح سے لے کر مقام تک مرکزی منصوبہ عمل کو نقل کرتے چلے جانے کا نام منصوبہ عمل ہے۔ اپنے لیے' کام کے ہر دائرہ میں' واضح و متعین اہداف اختیار کرنا' پھر ان کے حصول کے لیے عملی اقدامات کرنا' پھر وقفہ وقفہ سے دیکھتے رہنا کہ یہ اہداف کہاں تک حاصل ہوئے ہیں' یہی وہ عمل ہے جس سے کام آگے بڑھ سکتے ہیں۔ جن اہداف کو میزان پر رکھ کر کارکردگی کو جانچنے کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا' ان کا مقام منصوبہ عمل نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں اپنی سوچ میں بنیادی تبدیلی لانا ہوگی۔ ہم خود کو اپنے مقام یا حلقے میں' اپنی تحصیل و ضلع میں' یا اپنے صوبے میں صرف جماعت کے وابستگان کے لیے ذمہ دار اور مسئول نہ سمجھیں۔ بلکہ پوری آبادی کے لیے ذمہ دار اور مسئول سمجھیں۔ ہمارے حلقے یا مقام میں جتنے مرد و عورت' بوڑھے اور جوان' پڑھے لکھے اور ان پڑھ' کسان اور مزدور' بااثر و معزز افراد رہتے ہوں وہ سب ہماری سوچ' توجہ' اور کام کا ہدف ہوں۔ اپنی سوچ اور عمل کے دائرہ کو اس طرح وسیع کر کے ہی ہم اپنے منصوبہ کے خواب کو پورا کرنے کے قریب آسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی مدد کرے' ہماری نیتوں کو خالص رکھے' جو کام کریں صرف اسی کے لیے کریں' اور ہر خلق خدا کے بارہ میں اپنی مسئولیت کو پورا کرنے کی فکر اور حوصلہ عطا کرے۔ آمین۔

بقیہ: حکمت مودودی

دیکھنا چاہتے انھیں کیسے دکھایا جائے۔ اگر فی الواقع حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہی ہوتا کہ دنیا میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہنے دیا جائے تو اللہ کو یہ کام تم سے لینے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اس کا ایک ہی تکوینی اشارہ تمام انسانوں کو حق پرست نہ بنا سکتا تھا؟ مگر وہاں تو مقصود سرے سے یہ ہے ہی نہیں۔ مقصود تو یہ ہے کہ انسان کے لیے حق اور باطل کے انتخاب کی آزادی باقی رہے اور پھر حق کی روشنی اس کے سامنے پیش کر کے اس کی آزمائش کی جائے کہ وہ دونوں چیزوں میں سے کس کو انتخاب کرتا ہے۔ پس تمہارے لیے صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ جو روشنی تمہیں دکھادی گئی ہے اس کے اجالے میں سیدھی راہ پر خود چلتے رہو اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتے رہو۔ جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں انھیں سینے سے لگاؤ اور ان کا ساتھ نہ چھوڑو خواہ وہ دنیا کی نگاہ میں کیسے ہی حقیر ہوں۔ اور جو اسے قبول نہ کریں ان کے پیچھے نہ پڑو۔ جس انجامِ بد کی طرف وہ خود جانا چاہتے ہیں اور جانے پر مُصر ہیں اس کی طرف جانے کے لیے انھیں چھوڑ دو۔

تفہیم القرآن جلد اوّل سورۃ الانعام۔ حاشیہ ۲۲' ۲۳' ۲۴' اور ۲۷